حرمت کا رد و جواب بھی شائع کرتے انکے نزدیک حلت سود ایک طے شدہ امر ہے اور مسلمانوں کے لئے سود قرض اب ایسا حلال ہو گیا ہے جیسا کہ شیر مادر انکی اس قرارداد کے مطابق لاہور وغیرہ بلاد پنجاب میں مسلمانوں کیلئے سودی بنک جاری کرنے کی تجویز ہو گئی ہے جسکا ذکر لاہور کے اخبار وطن۔ پیسہ اخبار وغیرہ میں ہو چکا ہے ان بینکوں کے متعلق خاکسار نے ایک مضمون لکھا تھا جو مدت ہوئی رسالہ الہدی اور انگلو ورنیکلر وغیرہ اخبار وں میں شائع ہو چکا ہے اس مضمون کو

ذیل میں نقل کرکے شائع کیا جاتا ہے

ڈپٹی سردار احمد کے مجوزہ اسلامی بنک پر اسلامی رائے اور

انکے مغالطات پر اسلامیوں کو اطلاع

ڈپٹی صاحب کا انٹروڈیوس (تعریف و شناسائی بیان) جو ایڈیٹر وطن نے اپنے پرچہ نمبر ۲ جلد ۶ مورخہ ۲۵ مئی ۱۹۰۶ء میں کیا ہے اس میں جو انکا دنیاوی رتبہ بیان کیا ہے کہ وہ بڑے دولتمند۔ مالدار۔ زمیندار ہیں۔ سرکاری عہدہ دار رہ چکے ہیں وغیرہ وغیرہ اس سے ہمکو بحث نہیں مگر جو انکا دینی منصب بیان کیا اور کہا ہے کہ شاید ہی اسلامی ضروریات کا کوئی مسئلہ جس سے انسان کو سابقہ پڑ سکتا ہے ایسا ہو گا جو انکے غور و فکر سے بچا رہا ہو اجس سے ایڈیٹر وطن نے مسلمانوں کو یہ جتایا ہے کہ ڈپٹی صاحب احکام اسلام میں بھی رائے زنی کا حق رکھتے ہیں۔ اور انکا فیصلہ اسلامی فیصلہ یا فتوی ہو سکتا ہے) اسپر بحث کرنا ہمارا منصبی فرض ہے۔ ایڈیٹر وطن کا یہ بیان غلط اور بالکل غلط ہے۔ ڈپٹی صاحب سکھ مذہب چھوڑ کر مسلمان تو ہو گئے ہیں۔ مگر اصول و فروع اسلام میں انکو بہت ہی کم دخل ہے۔ دخل ہوتا کیونکر۔ نہ انہوں نے بعد اسلام اسلامی علوم حاصل کئے۔ نہ علماء دین کی صحبت میں رہے مسلمان ہوتے ہی سرکاری ملازمت ضلعداری نہر پھر ڈپٹی کلکٹری میں لگ گئے۔ پس جس عقل اور معلومات سے وہ نہر کے مقدمات آبپاشی وغیرہ کا ججمنٹ (فیصلہ) کرتے تھے اسی عقل و معلومات سے اپنے خیال میں مسائل دین اسلام کا ججمنٹ کرتے رہے لہذا دینیات میں انکے غور و فکر کا وہی نتیجہ ہوا۔ اور ہونا چاہیے تھا جو ایک نو مسلم اور ناواقف اسلام کا ہوتا ہے۔

ایڈیٹر وطن نے اس بارہ میں خود دھوکا کھایا اور مسلمانوں کو دھوکہ میں ڈالا ہے۔ وطن نمبر ۱۹ جلد ۶ مورخہ ۱۹ مئی ۱۹۰۶ء میں آپکا من گھڑت فیصلہ بابت جواز

سود شائع ہوا تو خاکسار نے (جو ڈپٹی صاحب کا انکے زمانہ سکھا شاہی اور ابتدا
اسلام اور ابتدا اور اختتام ملازمت سے آشنا اور انکے علم و معلومات سے بخوبی
واقف تھا) اس فیصلہ کو نہایت تعجب و افسوس سے پڑھا۔ اور اسپر ۲۹ - مئی
سنہ ۱۹۰۶ء کو ڈپٹی صاحب کے نام اس مضمون کا خط (جو وطن ۱۰ اگست میں شائع
ہوا ہے) لکھا کہ فتوے جواز سود آپ ہی کے دل و دماغ سے نکلا ہے (جیسا کہ
خاکسار کا گمان تھا جو اوپر ظاہر کیا گیا ہے) تو اسکو میرے سامنے پیش کریں
اور اگر کسی مولوی ملّا نے آپکو یہ فتوے لکھدیا ہے تو اسکی نقل ارسال کریں۔
اسکا صحیح اور بے حیلہ جواب تو یہ تھا کہ آپ لکھدیتے کہ یہ فتوے میرے ہی
خیال کا نتیجہ ہے یا یہ فلاں مولوی صاحب نے فتوے لکھدیا ہے جسکی نقل ارسال
ہے۔ مگر چونکہ ڈپٹی صاحب کے پاس کوئی فتوی جو کسی دلیل شرعی سے مستند ہو
موجود نہ تھا اسلئے انہوں نے میرے خط کے جواب میں کوئی فتوے اپنا یا بیگانہ
پیش نہ کیا۔ بلکہ میرے سوال کو ٹلانے کے لئے ایک یہ حیلہ نکالا کہ بجائے جواب
سوال پر سوال کردیا اور اُلٹا مجھ سے اپنے پندرہ سوالات کا جواب طلب کیا۔ اور
کہا کہ پہلے اسکے کہ میں آپکے خط کا جواب عرض کروں امورات ذیل دریافت کرتا
ہوں۔ پھر ان سوالات کو گن سنایا۔ اور اس سے پہلے تمہید کے ضمن میں کہا کہ جو
مشکلات اور دقتیں دین میں عائد ہوئی ہیں وہ علماء کی تنگ نظری سے
عائد ہوئی ہیں اسلام وہ ہے جو بحکم الاسلام هو الفطرة فطرتی ہو۔ تمدنی احکام
دائمی نہیں ہوسکتے وہ زمانہ کی رفتار سے بدلتے رہتے ہیں لہذا وہ احکام اسلام
میں داخل نہیں ہوسکتے۔ وہ زمانہ کی رفتار سے بدلتے رہتے ہیں۔ لہذا وہ احکام
اسلام میں داخل نہیں ہوسکتے پہلی سلطنتوں میں اور علماء اسلام کے خیالات
میں غلطی و مغالطے سے وہ احکام اسلام سمجھے گئے تھے۔ مگر آخر زمانہ نے انکو
سبدھا کردیا اور اس مغالطے کو نکال دیا۔ پھر اسکی تمثیل میں آپ نے پہلے چار مسائل
(۱) مسئلہ جہاد (۲) ملازمت سرکاری (۳) تعلیم انگریزی (۴) لباس و صورت

مشابہت اقوام غیر کو ذکر کر کے یہ جتایا ہے کہ پہلے علماء اسلام جہاد کو فرض اور ملازمت سرکاری اور تعلیم انگریزی و مشابہت اقوام غیر کو بحکم حدیث من تشبہ بقوم فھو منہم جیسے مدت تک سنایا ہے باپ بیٹوں میں عناد ڈلوایا ناجائز جانتے تھے۔ اب جہاد کو ناجائز اور ملازمت و تعلیم و مشابہت کو جائز جانتے ہیں زمانہ نے اُن کو بتا دیا ہے کہ ان کے پہلے خیالات مغالطات تھے اور ا . . مولوی صاحبوں کے فرزند کوٹ پتلون سے ڈٹے ہوئے اور ڈاڑھیوں کا صفایا کراتے ہیں۔

انہیں امثلہ میں پانچویں مثال حرمت سود کو بیان کر کے یہ جتایا ہے کہ یہ بھی ویسا ہی ایک مغالطہ تھا۔ اب عام تاجر مسلمان سود لیتے دیتے ہیں اور جو آدمی جہالت سے اسکی مخالفت کرتا ہے وہ تباہی کے بھنور میں گرتا ہے مسلمانوں کا کاروبار تجارت سود کے بغیر نہیں چل سکتا۔ اب سود کے لین دین کو آیت فمن اضطر غیر باغٍ ولا عادٍ فلا اثم علیہ نے جائز کر دیا ہے۔

اس پانچویں مثال کے متعلق آپ کا دعوے متناقض اور بیان مشوش ہے شروع میں تو آپ نے حرمت سود کو بھی پہلی چار مثالوں کی طرح مغالطہ قرار دیا اور یہ جتایا ہے کہ یہ صرف مغالطہ تھا جواب اُٹھ گیا ہے۔ حکم حرمت سود اسلامی حکم نہ تھا۔ علماء نے تنگ نظری اور جہالت سے اسکو حکم شرعی سمجھ رکھا تھا اور اخیر میں اسکو آیت فمن اضطر الخ کا محل اور مصداق ٹھہرا کر بر خلاف دعوے سابق یہ کہا ہے کہ سود لینا حرام تو ہے مگر اب مجبوری اور لاچاری سے جائز ہو گیا ہے جیسے مُردار یا سُور کا گوشت کھانا ہے تو حرام مگر بھوکے مرتے کو کھا لینا جائز ہے۔

اس تمہید کے بعد آپ نے وہ پندرہ سوال کئے ہیں جنسے آپ کی غرض و مقصود یہ ہے کہ حکم حرمت سود کے آگے ایک آڑ تنگ . . . بنا کھڑی کر دیجائے تاکہ مسلمان دھوکہ میں آکر ان مشکلات کی نظر سے سود کو حرام کہنے میں تامل کریں۔

خاکسار پہلے اس تمہید کا جواب دیتا ہے پھر ان سوالات پانزدہ گانہ کا جواب ایسا دیگا جن سے سامعین، کو ان مشکلات کا پہاڑ ایک تنکا جو ذرا سی پھونک سے

اُڑ جاتا ہے۔ نظر آئیگا۔ انشاء اللہ تعالے۔

تمہید کا جواب

تمثیلات اربعہ کے بیان سے ڈپٹی صاحب کی نسبت میرا خیال کہ وہ اصول و مسائل اسلام میں بہت ہی کم دخل رکھتے ہیں سچا اور صحیح ثابت ہوتا ہے اسکے سوا انکے دعوٰی کا اس سے کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ ان چاروں مثالوں میں ایک بھی ایسی نہیں جس میں پہلے مسلمانوں نے غلطی کھائی ہو اور اب وہ غلطی ظاہر ہو کر نکل گئی ہو۔ بلکہ وہ سب مثالیں اسوقت تک یکساں مسلم چلی آتی ہیں۔ زمانہ کے تبدل و تغیر سے ان میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔

(۱) جہاد جیسا کہ پہلے اسلام کا ایک رکن عظیم سمجھا جاتا تھا اب بھی ویسا ہی تسلیم کیا جاتا ہے۔ کسی مسلمان نے (بجز ایک کرشن* قادیان کے) اسکے فرض اور واجب العمل ہونے کا انکار نہیں کیا۔ ہاں اسکے واسطے شروط ہیں جن کے بغیر نہ وہ پہلے زمانہ اسلام میں جائز یا واجب سمجھا گیا تھا نہ اب سمجھا جاتا ہے (خاکسار کا رسالہ الاقتصاد فی مسائل الجہاد ملاحظہ ہو جو اردو و فارسی انگریزی میں شائع ہو چکا ہے)

(۲) سرکاری ملازمت یا اور اقوام غیر کی ملازمت جیسا کہ اب جائز مانی جاتی ہے ویسا ہی قدیم سے مسلم چلی آتی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا شاہ مصر کی ملازمت کرنا قرآن میں مذکور ہے اور حضرت علی رض کا ایک یہودی کی ملازمت کرنا حدیث میں مذکور ہے۔ ہاں اس میں بھی یہ شرط ہے کہ جس کام کے واسطے ملازمت اقوام غیر کوئی کرے وہ کام فی نفسہٖ جائز ہو اسکا معصیت ہونا متعین نہ ہو۔ اور منصفی وغیرہ سول لائن کی ملازمتیں ایسی ہی ہیں۔ (ہمارے مضامین ثلاثہ "کفار کی نوکری" "اقسام ملازمت" "اقسام ملازمت" پر شہادت جلد پنجم و دہم یازدہم میں ملاحظہ ہوں)

---

* کرشن قادیان نے گورنمنٹ کو اپنی طرف سے مطمئن کرنے کی غرض سے جہاد کو مطلقاً و بلا شرط ناجائز حرام قرار دیا جو اور کسی مسلمان کا عقیدہ نہیں۔

(۳) تعلیم انگریزی یا اور اقوام غیر کی زبان سیکھنا اسلام میں کبھی ممنوع نہیں سمجھا گیا
قرآن نے ومن آیاتہ اختلاف السنتکم والوانکم کہکر اسکو جائز کیا ہے اور آنحضرت
صلعم نے زید بن ثابت رضہ کو عبرانی سیکھنے کی اجازت دیکر اسکو جائز کیا ہے پھر کسی
مسلمان عالم نے عدم جواز کا فتوےٰ نہیں دیا (اشاعۃ السنۃ جلد ۵ نمبر ۶ ملاحظہ ہو)
معلوم نہیں ڈپٹی صاحب کو کسی زمانہ میں عدم جواز کا فتویٰ دینا علمار اسلام کا
کہاں سے معلوم ہوا۔

(۴) اقوام غیر سے جن امور میں مشابہت ابتدار اسلام سے ممنوع مسلم چلی آتی
ہے انہیں امور میں اب بھی ممنوع مانی جاتی ہے نہ پہلے مطلقاً منع ہوئی تھی نہ اب
مطلقاً جائز ہے حدیث من تشبہ بقوم فھو منھم نے کسی مسلمان کو کبھی نہیں ستایا
اور نہ باپ بیٹے میں عناد ڈلوایا اور نہ کسی امر جائز کو حرام کیا۔ جو مورد اسکا پہلے
سمجھا جاتا تھا وہی اب بھی تسلیم کیا جاتا ہے (اسکی تفصیل جلد ۲۱ کے نمبر اول دوم کے
میں ملاحظہ ہو) آپ نے حدیث کی نسبت ستانے اور عناد ڈلوانے کے الفاظ کہکر
تمام مسلمانوں کا دل دکھایا اور چکڑالوی اور نیچریوں اور عیسائیوں کو خوش کیا۔
آپکا تو مسلم ہونا ایسا ہی حکم دیتا ہے تو یہ اسلام کے لئے موجب ننگ و عار ہے۔
اس حدیث کے رو سے پہلے زمانہ میں ڈاڑھی بال مونڈوانا حرام اور مونچھیں بڑھانا
حرام سمجھا جاتا تھا تو وہ اب بھی حرام ہے اور اسپر اتفاق جملہ مذاہب اسلام ہے
(صفحہ ۱۲۵ جلد ۲ اشاعۃ السنہ ملاحظہ ہو۔ ڈپٹی صاحب سے تعجب ہے کہ وہ اس حکم اسلام کو
منجملہ مغالطات شمار کرتے ہیں اور ڈاڑھی کا صفایا کرانے کو رفع مغالطہ قرار
دیتے ہیں پھر زیادہ تعجب یہ کہ وہ ابتک خود بھی اس مغالطہ میں مبتلا ہیں اور عملاً
اس غلطی و مغالطہ کو دور کرنے کی کوشش نہیں کرتے جیسا کہ رفع مغالطہ حرمت
سود میں عملاً کوشاں ہیں۔

پانچویں مثال کے متعلق چونکہ آپکا دعوےٰ متناقض اور بیان مشوش ہے
لہذا اس کا جواب بھی دو مختلف وجوہ سے دیا جاتا ہے۔ اگر آپ کے نزدیک

(صفحہ ۲۱ و ۳۶ وغیرہ)

ابتداء اسلام سے حرمت مطلق سود مسلم چلی آتی ہے اور اب صرف بوجہ مجبوری و ضرورت وقت بحکم آیت فمن اضطر الخ وہ ممانعت اُٹھ گئی ہے اور جواز کی صورت پیدا ہو گئی ہے تو پھر اسکو مغالطات قدیمہ اہل اسلام سے شمار کرنا۔ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے اس صورت میں آپ پر یہ اعتراض بھی وارد ہوتا ہے کہ آیت میں حالت اضطرار سے وہ حالت مراد ہے کہ انسان مخمصہ یا ابتلاء کفار میں مبتلا ہو اگر حرام نہ کھائے تو اسکی جان جاتی رہے یا ایمان جائے اور جو اضطرار آپنے سود لینے دینے کی صورت میں فرض کر لیا ہے اس کا اثر جان جانے تک نہیں پہنچتا وہ اثر صرف دولت کی کمی یا بزعم آپکے تجارت میں عدم ترقی ہے لہذا اس آیت نے (جو جان جانے کے خوف کے وقت سور یا مردار کھا لینے کو جائز کرتی ہے) سود لینے کو (جسکے نہ لینے سے بقول آپ کے صرف مالی نقصان ہوتا ہے) کیونکر جائز قرار دیا ہے۔ کیا سود نہ لینے سے آدمی کی جان جاتی ہے۔ اور اگر آپکے نزدیک حرمت مطلق مسلم نہیں بلکہ وہ اس قید سے مقید ہے کہ سود زیادہ لیا جائے جس کو آپ یوری کہتے ہیں تو پھر اس کو حالت ضرورت و مجبوری و اضطرار سے مخصوص کرنا اور آیت فمن اضطر الخ کا مورد و مصداق بنانا کوئی وجہ نہیں رکھتا۔ تھوڑا سود لینا جس کو آپ بینکنگ انٹرسٹ کہتے ہیں) جائز ہے تو بہرحال جائز ہونا چاہئے۔ پھر اسکو حالت اضطرار میں جائز کہنا اور آیت فمن اضطر الخ کا مورد اور مصداق بنانا کیا معنے رکھتا ہے۔

اس تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈپٹی صاحب ہنوز سود کی جائز و ناجائز صورت کو خود بھی نہیں سمجھتے کبھی جواز سود کو حالت اضطرار سے مخصوص کرتے ہیں کبھی جواز میں تھوڑے سے ہونے کی قید لگا کر ہر حالت میں اس کو جائز بناتے ہیں اور اس پریشانی اور مختلف بیانی میں اپنی کلام کو خود نہیں سمجھتے اور خیال میں نہیں لا سکتے اور معہذا حلت و جواز سود کے مفتی اور سود لینے کی ہدایت میں مسلمانوں کے لیڈر بن بیٹھے ہیں۔ لیڈر ہوں تو ایسے ہی ہوں جو اپنی بات کو بھی نہ سمجھیں۔

یہ تو ان تمثیلات خمسہ جزئیہ کا جواب ہے اب اس اصول کلی ڈپٹی صاحب کا کہ یہ احکام تمدنی دائمی نہیں ہو سکتے۔ زمانہ کی رفتار کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں لہٰذا وہ احکام اسلام میں جو فطرتی ہے داخل نہیں ہو سکتے لا جواب دیا جاتا ہے۔

ناظرین توجہ سے سنیں یہ اصول ڈپٹی صاحب نے اُن نیچریوں سے لیا ہے۔ جو مسلمان کہلاتے ہیں اور پھر یہ کہتے ہیں کہ مذہب صرف روحانی اور اعتقادی امور سے تعلق رکھتا ہے۔ جسمانی امور اور دنیاوی اعمال سے اسکا تعلق نہ ہونا چاہئے۔ انہیں کا یہ مقولہ ہے کہ دنیاوی اور جسمانی امور سے ہم جو چاہیں پسند کریں۔ جو چاہیں کھائیں۔ جو چاہیں پہنیں مذہب کا اسمیں کوئی تعلق نہیں ہے اسمیں ہمکو زمانہ کی رفتار کے موافق چلنا چاہئے نہ مذہب کی ہدایت پر انہیں کا یہ مقولہ ہے یہ زمانہ بدلے تو تم بھی بدل جاؤ۔ انکے ایک ہم خیال گو بظاہر ہندو سے ہمنے بگوش خود سنا کہ کیا مذہب سالا (خربوزہ) کھانے پینے سے جاتا رہتا ہے۔ نیچریوں نے یہ اصول ان عیسائیوں سے سیکھا ہے جو شریعت توریت کو طاق میں رکھکر صرف عقیدہ تثلیث اور مسیح کی محبت و عقیدت الوہیت کو مذہب قرار دے چکے ہیں۔ اس اصول نیچریہ و عیسائیہ کے دو جواب ہیں۔ ایک تحقیقی (جسمیں کسی مذہب پر کوئی الزام نہیں ہوتا صرف تحقیق و اظہار حق بدلیل عمل میں آتا ہے) دوسرا الزامی جسمیں انہیں لوگوں کے عمل و اعتقاد سے انکے اصول کو رد کیا جاتا ہے چونکہ آجکل تحقیق و انصاف و دلیل کی بات اکثر قلوب پر وہ اثر نہیں کرتی جو الزامی بات اثر کرتی ہے لہٰذا ہم پہلے الزامی جواب کو پیش کرتے ہیں۔

عیسائیوں کے خطاب میں ہم کہتے ہیں کہ اگرچہ کھانے پینے اور قوانین تمدن اور آئین حکومت و سلطنت میں آپ لوگوں نے شریعت توریت کو پس پشت ڈال دیا ہے جن چیزوں کو توریت نے حرام کیا ہے انکو آپ شوق سے نوش جان فرماتے ہیں۔ جن احکام کو قانون سیاست بنایا ہے انکو آپ لوگ نعوجانتے ہیں مگر ہنوز بعض احکام معاشرت شریعت توریت کے آپ لوگ پابند بھی ہیں

مثلاً محرمات ابدیہ (جیسے ماں یا حقیقی بہن یا بیٹی یا پوتی) سے نکاح نہیں کرتے اور اسکو جائز نہیں رکھتے کچھ عرصہ ہوا کہ امریکہ میں ایک نام کے عیسائی جنٹلمین آزاد منش نے اپنی پوتی سے شادی کر لی تو اسپر ملک کے تمام اعیان نے لے دے کی. یہانتک کہ اسکو وطن سے مہاجرت کرنی پڑی۔

اس قسم کے کچھ قیود شریعت آپ لوگوں میں پائے جاتے ہیں تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ لوگوں کا یہ کہنا کہ مذہب صرف روحانی امور (عقیدہ تثلیث و محبت مسیح) سے تعلق رکھتا ہے. زبانی حساب وکتاب ہے۔ دل سے آپ ایسے امور کو بھی داخل مذہب سمجھتے ہیں جن کو تمدن اور معاشرت سے بھی تعلق ہے۔

نیچریوں کے خطاب میں ہم کہتے ہیں کہ اگرچہ آپ لوگوں نے بہت سے امور متعلق معاشرت میں مذہب کو چھوڑ دیا ہے۔ مرد ہو کر سونا ریشم پہنتے ہیں اور اسکو جائز جانتے ہیں۔ ڈاڑھیوں کا صفایا کرتے ہیں اور اسکو جائز رکھتے اور پسند کرتے ہیں۔ اور منہ پر ڈاڑھی رکھنے کو حماقت اور جہالت کا اثر سمجھتے ہیں مگر بہت سی چیزیں خورد و نوش کی عیسائیوں کیطرح آپ لوگوں میں سے اکثر* لوگ جائز نہیں رکھتے۔ سور کو حلال نہیں کہتے جیسا کہ سود کو حلال کہتے ہیں (حالانکہ سور اور سود میں بجز لفظی فرق د اور ر کے کوئی فرق سر مو نہیں) نکاح کے احکام میں بالکل شریعت ظاہری جسمانی کے تابع ہیں ابتک کسی مہذب نے ماں بہن سے نکاح نہیں کیا۔ پھر آپ لوگ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ مذہب صرف روحانی امور سے تعلق رکھتا ہے جس روز عیسائیوں سے بڑھکر اپنا تحمل دکھائینگے۔ سور۔ بکری۔ زوجہ۔ ہمشیرہ کو یکساں کام میں لانے کو جائز کہینگے۔ اسدن آپکو یہ کہنا زیبا ہوگا کہ مذہب کو معاشرت اور تمدن سے کو تعلق نہیں ہے۔ اس جواب کی مزید تحقیق و تشریح ہمارے مضمون جو تا پہنکر نماز پڑھنے کے متعلق حکم

* اکثر کی قید اس لئے لگائی ہے کہ بعض لوگ جو یورپین تہذیب میں کمال کو پہنچ کر مذہب سے پورے آزاد ہو گئے ہیں وہ سور کا گوشت [illegible] کھا لیتے ہیں اور اسکو گناہ نہیں سمجھتے۔

شریعت" میں بضمن جلد۲۱ ہو چکی ہے۔ ناظرین ملاحظہ فرمائیں گے تو کمال حظ ولطف اٹھائیں گے۔

تحقیقی جواب۔ اگر آپ خدا تعالےٰ کو عالم الغیب اور حکیم اور قادر مانتے ہیں اور اسکے رسولوں کو تبلیغ احکام شریعت میں صادق القول اور خطا بشری سے معصوم ومحفوظ جانتے ہیں تو اسکا لازمہ ہے اور مومن ہونے کی عین شرط ہے کہ شریعت کے جملہ احکام کو متعلق مذہب ہوں خواہ متعلق معاشرت (یا یوں سمجھو کہ) متعلق معاد ہوں خواہ متعلق معاش) اور وہ شارع کیطرف سے بغیر تغیر و تبدل مناسب وقت شریعت قرار پا چکے ہوں ناقابل تبدیل و ترمیم سمجھیں اور ان احکام پر یہ ایمان رکھیں کہ خواہ زمانہ میں ہزار انقلاب ہوا اور دنیا کے مختلف اقالیم میں مختلف طبائع کے ہزار اشخاص پیدا ہوں روئے زمین میں آئے دن نئی حکومت اور نئی رعیت پیدا ہو۔ لوگوں میں مختلف صورتیں کسب و معاش پیدا ہوں۔ احکام اسلام ہر زمانہ میں ہر اقلیم میں ہر شخص کے لئے ہر صورت ہر حکومت میں ہر نوع کے کسب تجارت کے لئے یکساں ہدایت اور فائدہ بخش ہیں خدا تعالیٰ حکیم وعلیم قادر نے ان سب زمانوں اقالیم اشخاص و اسباب معاشرت کا علم رکھکر ان احکام کو صادر فرمایا اسمیں خدا تعالےٰ سے غلطی و بھول و ناعاقبت اندیشی سے غفلت نہیں ہوئی۔ قرآن میں ارشاد ہے وما کان ربک نسیا* اور اسکے رسول مقبول سے ان احکام کی تبلیغ میں غلطی اور خدا تعالیٰ کی نافرمانبرداری نہیں ہوئی۔

یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک۔ ان علیک الا البلاغ۔ وما علینا الا البلاغ المبین۔ انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون۔ وما ینطق عن الھوے ان ھو الا وحی یوحے۔

قرآن میں فرمایا ہے جسکا خلاصہ ترجمہ یہ ہے اے رسول جو خدا تعالیٰ کی طرف سے احکام معاش یا معاد کے متعلق تجھ پر نازل ہوا ہے وہ پہنچا دے تیرا یہی کام ہے کہ ان احکام کو پہنچا دے۔ ہمارا بھی یہی کام ہے کہ ہم احکام پہنچا دیں ہمیشہ یہ سب احکام ہمارے ہیں اور ہم انکو تبدل و تغیر سے محفوظ رکھنے والے ہو۔ اور فرمایا رسول اپنی خواہش نفس سے نہیں کہتا۔ جو کہتا ہے ہماری وحی ہوتی ہے۔

* یعنی تیرا رب کبھی بھولنے والا نہیں

ان احکام کے ہر ملک و ہر زمانہ میں ہر شخص کے لئے ہر حکومت اور ہر حالت میں مفید ہونے کی تفصیل اگر ہم نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ نکاح۔ طلاق۔ وراثت وغیرہ کے فوائد و ضرورت کے بیان سے کریں تو یہ مضمون ایک دفتر بن جائے لہذا بجائے اس تفصیل کے ایک نظیر کے بیان پر اکتفا کرتے ہیں۔ کسی حکیم حاذق اور ڈاکٹر ماہر نے کوئی ایک ایسی دوا تجویز کر دی ہے جو اسوقت تمام ملکوں یورپ و ایشیا (ہندوستان و پنجاب وغیرہ) کے مختلف طبائع کے تمام اشخاص کے لئے (بجز بعض شاذ و نادر اشخاص کے جن کی طبیعت میں اس دوا کا فائدہ اٹھانے سے کوئی عارضی مانع موجود ہو) مفید ثابت ہوئی ہے) پھر کیا عموماً آسمانی مذاہب کو اور خصوصاً اسلام کو برحق اور قرآن کو کتاب آسمانی ماننے والوں کے نزدیک خدا تعالیٰ عالم الغیب قادر مطلق اور حکیم برحق اس ڈاکٹر کے برابر بھی نہیں کہ اسنے مختلف ازمان کے مختلف اقوام کے لئے ایک ایسا قانون بنا دیا جو ان سب کے لئے یکساں مفید نہ پڑا اور اخیر زمانہ کے لوگوں کو اس قانون کا بدلنا پڑا۔ کیا اس امر کی تجویز میں خدا تعالیٰ پر لاعلمی کوتاہ اندیشی و جہالت و حماقت کا الزام قائم نہیں ہوتا اور اس صورت میں خدا تعالےٰ کی نسبت ایسا گمان و الزام قائم کرنے والا مسلمان کہلا سکتا ہے۔ حاشا وکلّا۔ تعالیٰ اللہ عما یقول الظالمون علواً کبیراً۔

تمہیدی باتوں کا جواب ادا ہوا اب آپ کے سوالات کا جواب دیا جاتا ہے

سوال اول و ہفتم۔ اسوقت دنیا میں کسقدر مسلمان ہونگے۔ جو سود کی داد و ستد سے بچتے ہونگے۔

جواب سوال اوّل و ہفتم۔ میرے پاس یا کسی اور کے پاس حتیٰ کہ گورنمنٹ کے پاس کوئی رجسٹر ہوتا تو میں اس رجسٹر کو دیکھکر ان کی تعداد بتاتا۔ آپ کے پاس رجسٹر ہے تو آپ سود لینے دینے والوں کی تعداد بتا دیں ورنہ اس سوال کو ندامت و افسوس سے واپس لیں۔

جواب (۲)

(۲) سلطان روم نے جو خلیفۃ المسلمین ہے

پہلے آپ مجھے بتا دیں کہ حضرت سلطان المعظم

کیوں اسلامی بنکیں جاری کیں اور ایران میں جو اسلامی سلطنت ہے کیوں مسلمان برابر سود لیتے دیتے ہیں

تمام روئے زمین کے خلیفۃ المسلمین ہیں یا خاص اپنی حدود سلطنت سے اگر تمام روئے زمین کے خلیفۃ المسلمین ہیں تو آپ اس کا شرعی ثبوت اور اس پر تمام روئے زمین کے خاص مسلمانوں (علماء) کا اتفاق پیش کریں مگر تھوڑی تکلیف اٹھا کر پہلے منظر الحجاب مدراس۔ اور نیز اعظم مراد آباد اور مسٹر بلنٹ کی کتاب فیوچر اوف اسلام ترجمہ مولفہ سید اکبر حسین صاحب منصف اور اشاعۃ السنہ جلد ۶ صفحہ ۳۷۴ ملاحظہ فرماکر جواب دیں اور اگر خاصکر اپنی حدود سلطنت کے خلیفۃ المسلمین ہیں تو پھر شاہ ایران کو کیوں آپ نے خلیفۃ المسلمین نہیں کہا۔ کیا وہ اپنی حدود سلطنت کے خلیفۃ المسلمین نہیں ہیں اسکے بعد آپ سے یہ دوسرا سوال ہے۔ آپکے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہے۔ کہ عز الاسلام و فخر المسلمین حضرت سلطان المعظم نے ایسے بنک جاری کر رکھے ہیں جنمیں مسلمانوں سے سود لیا اور انکو دیا جاتا ہے کیا کوئی فرمان حضرت سلطان المعظم کا یا انکے نائب یا کونسل کی تحریر آپ کے پاس ہے؟ اگر ہے تو پیش کریں یا یہ صرف اخباری گپ ہے۔ یہی سوال سلطنت ایران میں مسلمانوں کے سود لینے دینے کی نسبت ہے۔ اسکے بعد آپ سے تیسرا سوال کیا حضرت سلطان معظم یا شاہ ایران نے ایسے بنک کے جائز ہونے کی نسبت اپنے اپنے مذہب کے علماء و مشائخ سے عموماً اور شیخ الاسلام سے خصوصاً فتوئی جواز سود لے کر بنک جاری کئے ہیں؟۔ اور ان فتاویٰ کی نقل آپکے پاس ہے؟ یا صرف اپنی رائے اور اپنے دنیاوی مشیروں کی رائے سے یہ بنک اور مسلمانوں سے سود کا لین دین جاری کیا ہے۔ اگر فتوی شرعی علماء وقت سے مسلمانوں میں سود کا لین دین اور بنک جاری کئے ہیں تو انکی نقل آپ پیش کریں اور اگر انکی اپنی رائے سے بنک جاری ہوئے ہیں تو آپ سے یہ چوتھا سوال ہے کہ کیا کسی سنی (حنفی یا شافعی وغیرہ) یا شیعہ مذہب میں کسی اسلامی بادشاہ کا وہ فعل جس کی نسبت شریعت اور علماء شریعت سے فتوے نہ لیا گیا ہو۔ بلکہ صرف دنیاوی مصالح اور ملکی اغراض کی نظر سے بلا اجازت شریعت کیا گیا ہو مسلمانوں کے لئے لائق

دست آویز ہے ؟ - اور اسکی سند قرآن یا حدیث یا کتب فقہ میں کہاں پائی جاتی ہے اور اگر آپ لوگوں کا یہ خیال اور ادعا ہو کہ اسلامی سلطنت کا ہر ایک عمل رواج لائق دست آویز ہے - گو اسکے جواز پر کسی فتوے یا مذہب کی شہادت نہ ہو پھر آپ لوگوں سے یہ پانچواں سوال ہے کہ بعض اسلامی سلطنتوں میں شراب خوری - قمار بازی (بذریعہ لاٹری وغیرہ) زناکاری بھی جاری و مروج ہے پھر کیا آپ صاحبان ان کی دست آویز سے کوئی اسلامی زنا خانہ (چکلا) اسلامی شرابخانہ - اسلامی قمارخانہ بھی جاری کرنا تجویز کرینگے - جیسا کہ اسلامی بنک جاری کرنا چاہتے ہیں ایسا کرینگے - تو آپ یقیناً مسلمانوں کو دولت سے مالا مال کر دینگے اور بہت لوگ آپ کے معاون ہو جائینگے آپ کے ایک دوست ہمخیال وقوت بازو اور آپ کے مضامین کی اشاعت کیلئے بڑے بھاری انجمن سے جنکا ہم ابھی نام نہیں بتاتے امید ہے کہ وہ اپنا نام خود بتا دینگے - مینے بمقام لاہور پوچھا کہ اگر آپ بالحاظ جواز شرعی وفتوی شریعت مسلمانوں کو مالدار بنانا چاہتے ہیں تو کیوں شیئر (حصص) ڈالکر رنڈیوں کو جو حسن وجمال میں پری پیکر ہوں نوکر رکھ یہ تجارت شروع نہیں کر دیتے - جسپر آپ فرمانے لگے کہ میں تو مسلمانوں کی ترقی دولت کے لئے اس امر کو بھی جائز رکھتا ہوں بشرطیکہ وہ رنڈیاں مسلمان نہوں پارسی ہوں یا یہودنیں ہوں - لیجئے مبارکباد - یہ صورت ترقی دولت اسلامی بنک سے بھی آسان ہے - اور اس سے ترقی دولت کے علاوہ جسمانی ونفسانی اغراض بھی آسانی سے حاصل ہو سکتی ہیں - میرے ان پانچوں سوالوں کا آپ جواب دینگے تو اس سے آپ کے سوال دوم کا جواب خود بخود نکل آئیگا۔

(سوال ۳ و ۴) سود کے بغیر تجارت کا کام چل سکتا ہے تو اسکی مثالیں بتائیں نہیں چل سکتا تو کیا مسلمان تجارت کرنا چھوڑ دیں

جواب ۳ و ۴ - سود کے بغیر تجارت کا کام بخوبی چل سکتا ہے مسلمانوں کو تجارت سے کوئی مانع نہیں ہے اسکی مثالیں بہت ہیں مگر مثالوں میں جھگڑا پڑ جاتا ہے - پھر کہنا پڑتا ہے - لا مناقشۃ فی المثال لہذا میں مثال ایک بھی دینا پسند نہیں کرتا - آپ بطور اصول کام نہ چلنے کی صورتیں بیان کریں -

میں انکے مقابلے میں کام چلنے کی صورتیں بیان کرونگا۔ آپ مشکل سے مشکل صورت پیش کرینگے تو میں اسکو آسان کر دکھاؤنگا۔

(سوال ۵) ہندوستان کے بادشاہوں نے کبھی سود سے روکا؟ نہیں تو کیوں نہیں؟ روکتے تو اس کا کیا اثر ہوتا۔

(جواب ۵) اگر آپ بیان کرینگے کہ ہندوستان کے دیندار بادشاہوں نے لین دین سود کو جائز رکھا تو میں انکے مقابلہ میں روکنے کی بابت تفصیل کرونگا۔ تفسیر نیچری سرسید سے نام کے بادشاہ بہادر شاہ کے نذرانہ کی حکایت نقل کرینگے تو وہ لائق سماعت ہوگی جب تک کہ بہادر شاہ کا حقیقۃً بادشاہ اور دیندار ہونا آپ ثابت نہ کرینگے۔

(سوال ۶) جس قوم میں سود کا رواج ہو اسمیں کوئی قوم بلا سود لیے دیے زندہ رہ سکتی ہے؟

(جواب ۶) قوم اگر افراد و اشخاص کا نام ہے اور سلب قومیت اسی وقت متصور ہے کہ اکثر افراد نہ رہیں تو میں بڑے زور سے کہہ سکتا ہوں کہ لاکھوں مسلمان ہیں جو سود نہیں لیتے اور ہزاروں ہیں جو سود نہیں دیتے اور پھر وہ زندہ ہیں

(سوال ۸) کتب فقہ میں کسی صورت میں سود کا لینا دینا جائز بھی لکھا ہے

(جواب ۸) کتب فقہ میں سود لینا تو کسی صورت میں کبھی جائز نہیں رکھا اور جن صورتوں کا حکم ربوا سے فقہ میں مستثنٰے ہونا لکھا ہے۔ جیسے حربی اور مسلم میں دار الحرب میں ربوا۔ اسکے یہ معنے نہیں ہیں کہ وہ ربوا تو ہے مگر جائز ربوا ہے۔ بلکہ اسکے یہ معنے ہیں کہ وہ حقیقۃً ربوا ہی نہیں ہے۔ اور وہاں قضیہ سالبہ بسلب موضوع صادق ہے نہ موضوع کے وجود سے سلب محمول کے ساتھ۔ جو لوگ فقہ پڑھکر ان صورتوں کو ربوا محرم سے مستثنٰے سمجھتے ہیں انہوں نے فقہ پڑھکر اس کو ڈبو دیا اور اپنے علم و فہم کو کھو دیا ہے۔ ہاں سود دینے کو فقہ میں بحالت اضطرار جائز رکھا ہے مگر اضطرار کے جو معنے ہیں وہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں مرجان یا ایمان جانے کا خوف ہو تو صورت اضطرار پیدا ہوتی۔ ۔۔۔ بڑھانے اور شفقت امیرانہ قائم رکھنے کے لئے سود لینا اسمیں داخل نہیں ہے۔

(سوال ۹ و ۱۰) سود مروجہ عرب اور حال کے

(جوابات ۹ و ۱۰) یہ نہ صرف انہی صورتوں

مروج بنکوں میں کبھی مقابلہ کیا ہے اور ہنڈوی وغیرہ کے مفہوم کو سوچا ہے

کو سوچا اور ان کا مقابلہ کیا بلکہ انکے مفہومات اور مراتب کا فیصلہ کرکے شائع کر دیا۔ اشاعۃ السنۃ کی جلد ۱۲ و ۱۸ و ۱۹ ملاحظہ ہوں۔ آپ لوگ میرے رسالہ کو ملاحظہ نہیں کرتے یا تجاہل عارفانہ عمل میں لاتے ہیں۔

(سوال ۱۱ و ۱۲ و ۱۳ و ۱۴) وکیل۔ بیرسٹر۔ عرضی نویس۔ منصف۔ جج سودی تحریریں لکھنے اور سودی ڈگریاں دینے سے گنہگار ہوتے ہیں؟ کیا آپ یا کوئی اور منصف اس سے بچ سکتا ہے

(جواب ۱۱ تا ۱۴) میں کیا کہوں خدا تعالےٰ فرماتا ہے تعاونوا على البر والتقوىٰ ولا تعاونوا على الاثم والعدوان۔ اور اسکا رسول فرماتا ہے: مقدمات سود کے لکھنے والے بھی ملعون اور اگر کوئی بچنا چاہے تو بچ سکتا ہے۔ وکیل عرضی نویس تو آزاد و مختار ہیں منصف و جج بھی اگر چاہیں تو دعویدار کو فہمایش کرکے سود چھوڑ دینے پر راضی کر سکتے ہیں جو قانوناً بھی جائز ہے۔

ایک منصف عبدالواحد نامی کا جو جبالہ میں بھی رہ چکے ہیں یہ بیان مجھے پہنچا ہے کہ مینے کبھی کسی کو سود کی ڈگری نہیں دی۔

(سوال ۱۵) آپ بادشاہ ہو جائیں تو سود روکنے کے لئے کیا حکم جاری کریں

(جواب ۱۵) یہ سوال قبل از وقت ہے لہذا مستحق جواب نہیں ہے۔ مگر چونکہ مجھے آپکی خاطر عزیز ہے لہذا جواب دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ سب سے پہلے میں ان فتوے و تحریرات کو جو اسوقت کے بعض علمار رشوت خوار نے جواز سود میں تحریر کی ہیں دریا برد یا آگ کے سپرد کروں پھر اُن علمار کو معقول وظیفہ دیکر کالے پانی یا سائبیریا نہیں بلکہ معظمہ [illegible] اور کہوں لا تشتروا بآياتي ثمنا قليلا پر عمل کرکے جھوٹے فتوے دینے سے تائب ہو کر عطیہ سرکاری سے کام لو اور عیش کرو اور حرام کو حلال بنا کر لوگوں کا ایمان نہ کھوؤ اور وہاں کے لوگوں کو حکم دوں کہ کوئی شخص ایسے شکم پرست اور دین فروش علماء سے کسی مسئلہ میں فتوے نہ لے۔

پھر ان ایڈیٹران اخبارات کو جو انکے جھوٹے اور غلط اقوال ملک میں شائع

کرتے ہیں اخبار نویسی سے علاوہ کرکے بہت سا روپیہ دیگر تجارت کے کام میں لگاویں
اور کہوں کہ انصاف سے کہو کہ روپیہ کا فائدہ سود سے زیادہ ہوتا ہے یا تجارت
سے۔ ایسا ہی اُن لوگوں کو جو سود پر روپیہ لیتے دیتے ہیں تجارت پر لگاؤں اور
الکھو اور عام لوگوں کو جو سود کا لین دین رکھتے ہیں آیات قرآن و احادیث نبوی
و روایات فقیہ کا وعظ سُنا کر سود کے لین دین سے ہٹاؤں۔ یہ کام آپ بھی کرتا ہوں
یہ آپ کے مغالطات کا اظہار ہے۔ اسی میں آپ کے اسلامی بنک پر اظہار
رائے ہوگیا ہے کہ آپ کا اسلامی بنک تجویز کرنا ایسا ہے جیسے آپ یا کوئی دولتمند
خواہ قوم کا اسلامی چکلا یا اسلامی شرابخانہ جاری کرے۔ اسمیں اُسمیں سرمو فرق و
تفاوت نہیں ہے۔

ڈپٹی صاحب نے اخبار وطن ۲۴ اگست ۱۹۰۶ء میں اور پیسہ اخبار ۲۵
اگست ۱۹۰۶ء میں اپنا ایک خط شائع کیا ہے جسمیں تین امور کا اظہار کیا ہے

(۱) اوّل یہ کہ حلّت سود ایک طے شدہ امر ہے۔ علماء نے قرآن اور حدیث اور فقہ پر
نظر غائر کرکے فتوے دیدیا ہے کہ ہندوستان میں سود کا لینا دینا دونوں جائز ہیں
اسلامی سلطنتوں میں بھی مدت کا فیصلہ ہوچکا ہے۔ اب تحقیقات عدم جواز کے
انتظار کرنے کا کوئی موقع نہیں پس اب مالدار لوگ روپیہ نکالیں اور بنک جاری کریں

(۲) ہندوستان کے مسلمانوں کا اسوقت کئی ارب روپیہ بیکار پڑا ہے جس کا
کم سے کم چھ کروڑ روپیہ منافع ہوتا ہے اور چھ کروڑ روپیہ انکا غیر قوموں کے تہ
سود میں جاتا ہے۔

(۳) اس منافع کے حاصل کرنے اور اس نقصان سے بچنے کا علاج بجز اس کے
اور کوئی نہیں ہے کہ مسلمان کم سے کم تین سو سودی بنک دو دو لاکھ کے ہندوستان
میں جاری کریں اور خاص لاہور میں پانچ لاکھ روپیہ کے سرمایہ کا بنک جاری کریں
جسمیں سو سو روپیہ کے پانچہزار حصے ہوں اور اسمیں سے دو سو حصے کے خریدار
ڈپٹی صاحب بنینگے۔ اور اس سے پیشتر مضمون مشتہرہ وطن نمبر ۱۹ جلد ۶ میں آپنے

یہی نفع نقصان کا حساب مذکور لگا کر ایک بات (نمبر ۴) لکھی ہے کہ مسلمان اسی وجہ سے نکمے اور بیکار ہو رہے ہیں کہ انکا روپیہ بیکار پڑا ہوا ہے سودی بنک جاری کریں تو انکا نکما بیکار ہونا جاتا رہے۔ یہ چاروں باتیں بھی محض آپکی مغالطات ہیں جن سے آپ نے مسلمانوں کو دھوکا دیا ہے یا خود دھوکہ کھایا ہے۔

پہلی بات اسلئے محض غلط اور خلاف واقعہ ہے کہ ابتک کوئی اتفاقی فتویٰ علماء ہندوستان و عربستان وغیرہ بلاد میں شائع نہیں ہوا۔ اگر کسی ایک نیچری یا نیم ملا حنفی نے دار الحرب میں حربی اور مسلمان کے مابین سود کو جائز کیا ہے تو اسکے مقابلہ کے دس علماء حنفی اور اہلحدیث اسکے عدم جواز کے مدعی بن گئے ہیں انہوں نے انکا رد کیا ہے جس کا جواب اس سے بن نہیں پڑا۔ الغرض میجارٹی (جمہوریت) کا اسپر اتفاق نہیں ہوا۔

ایک مدت سے لاہور میں ایک مخفی کمیٹی چند علماء کی تحقیق مسئلہ سود کے واسطے قائم ہوئی ہے مگر اسکی تحقیقات کا نتیجہ ابتک پبلک میں شائع نہیں ہوا میں نے بہت کوشش کی کہ اس کمیٹی کے ممبروں کے نام معلوم ہو جائیں تو ان سے میں بھی خط و کتابت کروں اور انکو عدم جواز کے دلائل جو میں اپنے رسالہ اشاعۃ السنہ کی تین جلدوں (۱۲-۱۸-۱۹) میں شائع کر چکا ہوں ارسال کروں۔ اس مضمون کا خط بھی اس کمیٹی سے تعلق رکھنے والے اپنے عزیز دوست میاں فضل حسین صاحب بٹالوی بیرسٹر ایٹ لا لاہور کے نام لکھا اور انکے پاس ان تین جلدوں کے متعدد نمبر بھی بھیجدئے۔ وہ خط صدر کمیٹی کے پاس پہنچا اور پڑھا گیا اور سنا ہے کہ وہ نمبر تین جلدوں کے بھی اسکے پاس پہنچے ہیں۔ مگر اس مجلس میں جہاں وہ خط یہی رائے پاس ہوئی۔ کہ اس خط کا کوئی جواب نہ دیا جاوے اور اس شخص کو اس کمیٹی کی کارروائیوں اور ممبروں سے اطلاع نہ دی جائے۔ ایسی کمیٹی اور اسکی چوری کی کارروائی سے کیا امید ہو سکتی ہے کہ وہ سود کا جواز ثابت کر چکے ہوں یا کریں۔ اس کمیٹی کے ایک ممبر ایڈیٹر اہلحدیث نے اپنے رسالہ ماہ شعبان سنہ ۲۴ھ کے صفحہ ۲۶ میں صاف چھاپ دیا کہ اس کمیٹی نے بجز اختلاف کثیر کوئی فیصلہ نہیں دیا۔ خاکسار کہتا ہے

میں خدا تعالےٰ کے دین اور اسکے حامی دین ہونے کے بھروسہ پر نہ اپنی ذاتی علم ولیاقت کے گھمنڈ پر کہتا ہوں کہ اس کمیٹی کا فتوائے جواز سود دیپبلک میں مشتہر ہوا تو میں اس کو ایک منٹ میں اور ایک جملہ سے رد کر دونگا انشاء اللہ تعالیٰ بحولہ وقوتہ۔ ممکن نہیں ہے کہ کوئی شخص ہندوستان اے لبنان وغیرہ بلاد میں جواز سود باہم مسلمانوں میں کبھی دلیل کتاب وسنت واقوال فقہاء امت سے اثبات کرے۔ دوسری بات بھی اسلئے مغالطہ ہے کہ اکثر مسلمان بجز سلاطین اور والیان ریاست ہائے اسلامیہ نان شبینہ کے محتاج ہیں۔ ان میں کئی ارب روپیہ کہاں اور کہاں سے آیا۔ اسپر ناظرین چھ کروڑ نفع اور چھ کروڑ نقصان کا قیاس کر سکتے ہیں۔ ڈپٹی صاحب کا حساب شیخ چلی کا سا حساب نہیں ہے تو وہ سود دینے والوں کی تعداد کی سند کسی رجسٹر یا کتاب سے بتا کر ہر سال انکے چھ کروڑ روپیہ کا سود میں جانا ثابت کریں۔ یہ ہم مانتے ہیں کہ ڈپٹی صاحب اور انکے دو نو بھائیوں شیخ محمد عمر نومسلم اور ڈپٹی عبدالرحمٰن نومسلم کے پاس بہت روپیہ ہے جس میں حقوق اللہ اور حقوق العباد بھی شامل ہیں اور انکی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی ہے۔ ایسے ہی اور لکھ پتی مسلمان ہیں مگر کئی ارب روپیہ کہاں اور بقدر روپیہ پاس ہو بھی تو اسقدر نقصان سود دینے سے کہاں۔

تیسری بات بھی اسلئے محض مغالطہ ہے کہ سود سے بڑھکر تجارت میں نفع ہے چنانچہ ڈپٹی صاحب نے خود اپنے خط مندرجہ وطن ۲۴۔ اگست ۱۹۰۶ء کے صفحہ ۲ کالم ۳ سطر ۱۶ میں صاف اقبال کیا اور کہا ہے کہ چونکہ تجارت میں تجربہ اور روپیہ دونوں کا منافع ہے اسواسطے وہ سود کی نسبت زیادہ ہے۔

اسپر ڈپٹی صاحب اور انکے ہم خیال اعتراض کرینگے کہ تجارت کے واسطے معاملات تجارتی کی تجربہ کاری اور دیانتداری لگا رہے ہے مسلمان مالدار ایسے لوگ تجربہ کار دیانتدار کہاں سے لائیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جہاں سے بنک کے واسطے بہت سے ڈائرکٹر تین سو منیجر اور انکے ماتحت صدہا کار گذار مل سکینگے اور تجارت کے واسطے نہ ملیں گے! ایسی تجربہ کار تجار سو ہی کافی ہونگے جو بنک سودی روپیہ لیکر خود تجارت کرینگے۔ یہ بات قابل تسلیم نہیں ہے اور کوئی منصف مزاج نہ مانیگا کہ بنک کے واسطے دیانتدار منیجر اور بنک سے روپیہ لیکر تجارت کرنے والے تجربہ کار تاجر تو بہت ملینگے مگر جس صورت اور حالت میں کہ مسلمان مالدار اپنا روپیہ تجارت کے واسطے ایک کمیٹی یا چند کمپنیوں کے حوالہ بطور شرکت یا مضاربت کردینگے۔ تو اس حالت میں کمیٹی کو کوئی دیانتدار اور تجربہ کا آدمی نہ ملے گا۔

ڈپٹی صاحب کہتے ہیں کہ مشترکہ کارخانوں میں بعض لوگ بری طرح فیل ہوئے ہیں ان میں شرارت وبے ایمانی ہوتی ہے۔ خاکسار کہتا ہے کہ ایسی شرارت وبے ایمانی بنکوں میں بھی ہوتی ہے

ڈپٹی صاحب کہتے ہیں کہ بنکوں اور لمیٹڈ کمپنیوں کی رجسٹری کرائی جاتی ہے تو سرکاران کی نگراں ہوتی ہے کوئی بے ایمانی کرے تو فوراً گرفتار ہوتا ہے۔

خاکسار کہتا ہے وہ رجسٹری بنکوں سے مخصوص نہیں تجارتی کمپنیاں شرکت و مضاربت کی بھی لمیٹڈ اور رجسٹرڈ ہو سکتی ہیں غرض جو احتیاط اور صورت طمانیت بنکوں میں روپیہ ضائع نہ ہونیکے لئے ہوسکتی ہے وہی تجارتی کمیٹیوں اور کمپنیوں میں بھی ہوسکتی ہے۔ پھر کیوں ڈپٹی صاحب اور انکے دوست دید و دگار مسلمانوں کے ایمان کا خون کرتے ہیں اور انکو اتفاقی حرام میں مبتلا کرتے ہیں اور بجائے بنک سودی تجارت کے واسطے سرمایہ جمع کرکے شرکت و مضاربت کی صورت میں تجارت کیوں جاری نہیں کرتے جس میں سود کی نسبت فائدہ زیادہ ہے اور ایمان کا نقصان ذرہ بھی نہیں ہے۔ ڈپٹی صاحب پر یہ بات بھی مخفی نہ ہوگی کہ بڑے بڑے مشہور اور نامی بنک دوالہ بھی نکال دیا کرتے ہیں[1]۔ جسمیں گورنمنٹ بھی کچھ نہیں کر سکتی۔ اس صورت میں بنکوں کو نیشنل شاکس (یعنی وہ روپیہ جو قوم اکٹھا کرکے تجارت یا کسی کارخانہ میں لگانا چاہے) پر کوئی ترجیح نہیں۔ کارکنوں کی بددیانتی یا ناتجربہ کاری دونو صورتوں میں مساوی نقصان پہنچاتی ہیں اور انکی دیانت تجربہ کاری دونوں میں یکساں فائدہ بخش ہے۔

چوتھی بات بھی اسلئے محض غلط ہے کہ جو لوگ سودی مال کھاتے ہیں وہ مفت خوری کی عادت سے محض نکمے ہو جاتے ہیں جب انکو صرف ایک بنک سے (جسکا سرمایہ بقول آپکے (صفحہ ۲۔ کالم ۲ سطر ۳۶۔ اخبار وطن) دو لاکھ روپیہ ہوگا اور ساٹھ لاکھ روپیہ لوگوں کا امانت اسمیں رہیگا) حسب وعدہ آپکے (صفحہ مذکور سطر ۳۹) بائیس ہزار سے زیادہ حصہ داروں کو اور دو لاکھ چوبیس ہزار روپیہ امانت والوں کو منافع ملے گا تو پھر وہ لوگ کاہیکو کوئی اور دنیاوی کام و شغل کرینگے۔ اور کیوں ساہوکار مہاجنوں کی طرح بیٹھے بیٹھے پیٹ اور توند میں نہ بڑھائینگے اور اس مفت خوری سے آرام تن (جسکو پنجابی زبان میں ہڈحرام کہتے ہیں) نہ ہو جائینگے۔ اس بات کا اعتراف آپکے پیر و مرشد اور اسلام میں مجوزین سود کے باوا آدم سرسید نے بھی تفسیر نیچری جلد اول صفحہ ۳۰۲ میں کیا اور کہا ہے کہ ربا درحقیقت ایک بہت بری چیز ہے اور انسانی اخلاق اور تمدن کے لئے بعض حالتوں میں نہایت مضر ہے۔ ربا جبکہ ایک پیشہ کیا جاتا ہے (ڈپٹی صاحب اسکو غور سے پڑھیں سودی بنک جاری کرنے سے

[1] سال گذشتہ میں شہر امرتسر کے کئی سودی دکانوں کا دیوالہ نکل گیا ہے۔

کیا ربا پیشہ نہیں ہو جاتا) جیسیکہ سود خوار رہی اور مہاجن بطور پیشہ کے اسکو برتتے ہیں
(ڈپٹی صاحب اسکو بھی غور سے پڑھیں حصّہ دار و امانت رکھنے والے بنک کے مہاجن نہیں
تو اور کون بنینگے) تو تمدن کے لئے نہایت ہی مضر ہوتا ہے۔ ذی مقدور شخص روپیہ کو ملک کی
ترقی اور تجارت کی افزونی میں صرف نہیں کرتا (ڈپٹی صاحب اسکو بھی غور سے پڑھیں ملک
کی ترقی اور تجارت کی افزونی میں روپیہ خرچ کرنے کی وہی صورت ہے جو خاکسار نے عرض کی
کہ اس روپیہ کو تجارت پر لگا دیں یا اس سے کوئی کارخانہ صنعت جاری کریں صرف سود پر روپیہ
چلانا مہاجنی کام ہے) بلکہ صرف اپنے ہی ملک کے لوگوں سے انکا مال لینے میں صرف کرتا ہے
(یہ بھی ڈپٹی صاحب کے غور و توجہ کے لائق ہے۔ اسی غرض سے حصہ دار اور امانت رکھنے والے
روپیہ بنک میں جمع کراتے ہیں کہ اسکا سود ہمکو آوے جو روپیہ وہ سود پر دیتے ہیں اسکو خواہ
سود پر لینے والے رنڈی بازی میں لگا دیں یا فضول مصارف شادی میں صرف کریں یا تجارت
میں لگا دیں۔ مُردہ دوزخ کو جائے خواہ بہشت کو انکو حلوے مانڈے سے کام ہوتا ہے) وہ
اپنی محنت اور مشقت سے معیشت پیدا کرنے میں بالکل سست ہو جاتا ہے اور لوگوں نے
جو محنت اور مشقت سے کمایا ہے اسکے لے لینے پر راغب ہوتا ہے (یہ فقرہ ہمارے بیان کا
صاف اور صحیح طور پر مصدق ہے جس کو مفت مال ملے وہ کب کسی کام کے لئے مشقت اٹھاتا ہے
اسکا کام صرف بیٹھے رہنا یا لیٹ رہنا اور توند بڑھانا ہوتا ہے جیسے کہ ساہوکاروں مہاجنوں
کا حال مشاہدہ میں آتا ہے ڈپٹی صاحب کا بنک جاری ہوا تو اسکے حصہ داروں اور امانت رکھنے
والوں میں سے اپنے دوستوں کو پہلے وزن کر لیں گے پھر ایکسال کے بعد انکو وزن کرکے بتاوینگے
کہ اس مفت خوری نے انکے توندوں کو کسقدر بڑھایا ہے) اسکے مال و دولت سے کوئی صنعت
یا کوئی ایسا کارخانہ ... سے لوگوں کو معیشت میں مدد پہنچے اور ملک کی دولت کو ترقی ہو نہیں
قائم ہوتا (اس فقرہ کے سمجھنے میں شاید ڈپٹی صاحب ٹھوکر کھائیں اور یہ کہیں کہ لوگ بنک سے
سودی روپیہ لے کر اس سے کوئی صنعت یا کارخانہ قائم کرینگے تو گویا انہیں بنکوں کا روپیہ
ترقی صنعت میں کام آئے گا۔ اس دھوکا کا ازالہ یہ ہے کہ انکا روپیہ تو انکے اسی کام میں
آئیگا کہ وہ اسکا سود لیکر اپنا روپیہ اور توندیں بڑھا لینگے۔ جو روپیہ ترقی صنعت کے کام
میں آئیگا وہ انکا نہ ہوگا بلکہ انکے مظلوم قرضداروں کا ہوگا جو سود دیکر صنعت میں لگائیں گے
انکے روپیہ کا صنعت میں کام آنا تب متصور ہو جبکہ اس روپیہ کو وہ خود صنعت کے کارخانوں

میں لگا دیں اور اسکا سود نہ لیں) بجز اسکے کہ غریبوں سے انکی محنت و مشقت کے حاصلات چھین لینے کا انکو قابو ملتا ہے اور کچھ شبہ نہیں کہ ایسا ربوا تمدن واخلاق کے برخلاف ہے" لیجیے ڈپٹی صاحب ہم نے آپ کے ہادی و پیغمبر کے سوائے قرآن تفسیر نیچری کو اس کی تفسیر اپنی طرف سے کر کے آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ سودی بنک جاری ہونے سے حصہ دار و امانت رکھنے والے بہت نکمے و سست ہو جائیں گے اب آپ خدا سے نہیں تو اپنی مرشد سر سید ہی کی روح سے ڈریں اور سودی بنک جاری کرنے کے خیال کو دل سے نکال کر اپنے روپیہ اور دولتمند دوستوں کے لاکھوں (یا بقول آپ کے اربوں) روپیہ کو تجارت میں لگا دیں جمہوری تجارت کھولیں اور اسمیں مالداروں کا روپیہ بطور شرکت یا مضاربت جمع کرا دیں۔ یا صنعتی کارخانے جاری کریں اور اسکے منافع سے مشترک حصے مسلمانوں کو دیویں اور اگر آپ اپنی سابق حالت کی کشش سے اپنے ہندو بھائیوں ہی کی تقلید پسند کرتے ہیں تو فیکٹریاں کارخانے کھولنے میں کیوں ہندوؤں کی تقلید نہیں کرتے۔ آپ اپنے اس خیال کو بھی دماغ سے نکال دیں کہ سودی بنک کے بغیر تجارت کا کام نہیں چلتا۔ یہ خیال ایسا ہی غلط ہے جیسا کہ لوگ کہا کرتے ہیں کہ جھوٹ کے سوا تجارت اور دکان کا کام نہیں چلتا۔ اگر اس مقولہ اور خیال کی تقلید سے آپ سود کو جائز کرتے ہیں تو پھر کیا آپ دوسرے مقولہ کی تقلید سے جھوٹ کو بھی جائز کریں گے ہم نے بحق دوستی قدیم آپ کو حق کہدیا اور پورا ابلاغ کر دیا۔ اب آپ کو اختیار ہے مانیں خواہ نہ مانیں ؎

من آنچہ شرط بلاغ ست با تو میگویم
تو خواہ از سخنم پند گیر خواہ ملال

تتمہ

(ابو سعید محمد حسین ایڈیٹر اشاعۃ السنۃ)

یہ خط ڈپٹی صاحب کو ایک معزز جماعت نے پہنچایا بلکہ خود پڑھکر سنا دیا۔ ڈپٹی صاحب نے اسکا کوئی جواب نہ دیا۔ پھر یہ خط ڈپٹی صاحب کے خیالات کے حامی اور شائع کرنے والے اخبار وطن کے ایڈیٹر کے پاس بھیجا تاکہ وہ اسکو اپنے اخبار میں درج کریں۔ اس نے اسکو اپنے اخبار میں درج کرنے سے انکار کیا (چنانچہ صفحہ سابقہ میں ذکر ہو چکا ہے) اور ڈپٹی صاحب کی تائید میں ایک اور لیڈنگ آرٹیکل (اپنی طرف سے ایک مضمون رہنمائے سود) اخبار کے نمبر ۳۵ جلد ۹ مطبوعہ ۷ ستمبر ۱۹۰۶ء میں شائع کیا

جو بعینہٖ آپکے الفاظ وعبارت سے نقل کیا جاتا ہے آپ لکھتے ہیں "ڈپٹی سردار احمد صاحب نے بینک کے قیام کی ضرورت ثابت کرتے ہوئے ضمناً سلطانی بنکوں کا بھی ذکر کیا تھا۔ اسپر ایک مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت سلطان بیشک ہمارے سرتاج ہیں لیکن ان کی سلطنت میں آور کونسا شرعی قانون نافذ ہے کہ انکا فعل ہمارے لئے سند ہو سکے سلطان پر کیا موقوف ہے اسوقت کسی اور اسلامی ملک میں بھی شرعی حدود جاری نہیں۔ تو کیا اس سے یہ لازم آئیگا کہ مسلمان شرع کو چھوڑ دیں"

(قطع اسموقعہ پر فاضل معترض سے کوئی لفظی بحث نہیں کرنا چاہتا۔ بلکہ الزاماً یہ کہتا ہے کہ جب دیگر شرعی حدود کو نظر انداز کرنیکے باوصف محکوم و آزاد مسلمان برابر مسلمان رہ سکتے ہیں۔ تو بنکوں کے متعلق نئے اجتہاد پر عمل پیرا ہونے سے بھی ان کی مسلمانی میں فرق نہیں پڑنا چاہئے۔ اصل بات یہ ہے کہ مسلمانوں نے قرآن کریم میں غور و تدبر کرنا بالکل چھوڑ دیا ہے۔ اور صرف چند الفاظ کو مد نظر رکھکر کلام اللہ کے باقی حصہ اور تعلیم اسلام کی اصل روح کو بھلا دیا ہے۔ سود کے مسئلہ کو لو۔ اول تو ربا کے معنی میں ہی اختلاف ہے۔ ایک فریق اسکے معنی یوژری (ظالمانہ بیاج) کے کرتا ہے۔ اور تجارتی شرح کے سود کو اس سے خارج سمجھتا ہے۔ اور مخالف اس کے استدلال کا کوئی کافی جواب نہیں دیسکتے دوم وہ یہ نہیں سوچتے کہ کئی علماء سلف اور حال خود ربا کا بھی چند صورتوں میں غیر ممنوع ہو جانا تسلیم کر چکے ہیں۔ مگر اس کے معنی خواہ کچھ ہوں۔ اس کی ممانعت کی اصل وجہ ہمدردی پر مبنی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ایک مسلمان کو روپے کی ضرورت ہے۔ اور اسے بازار سے کسی طرح ایک روپیہ سینکڑا سے کم سود پر قرض نہیں مل سکتا۔ اور ادھر کوئی مسلمان بطور قرض حسنہ روپیہ دینے پر تیار نہیں۔ تو اگر کوئی مسلمان اُسے محض بخیال ہمدردی و تعلق اسلامی ۔ اسے سینکڑا سود پر روپیہ دیدے۔ تو کیا اُسنے منشا الٰہی کے خلاف کیا؟ یا ہر سینکڑا کم لینے سے منشاء الٰہی کو قدرے پورا کیا؟ حالات زمانہ اور نکبت قومی کے اثر سے جس سے اسوقت شاید ہی کوئی بشر بچا رہا ہو۔ اگر وہ اس قدر ہمدردی نہیں کر سکا۔ کہ بالکل بلامنافع دے۔ تو کیا اس کے اس قدر احسان کرنیکا یہ صلہ ملنا چاہئے کہ اسے اُلٹا مطعون کیا جائے جس کا بدیہی نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ آئندہ وہ کسی کو قرض نہ دے گا اور مسلمان ضرورت مند کو پوری شرح پر غیر اقوام سے قرض لینا پڑیگا اسلام تو یہ کہے گا کہ لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ فِي الْإِسْلَامِ اور ہمارے مولوی دو مسلمانوں کے صریح نقصان کو عین مقتضاء اسلام قرار دیں۔ ربا بیشک مطلق حرام ہے لیکن مسلمانوں کے لئے پہلے مسلمان تو بنو جب مسلمانوں میں پھر نور ایمان ایسا مضبوط ہو گیا کہ وہ اپنی ضروریات پر اپنے ہمسایہ و ربھائی کی آسائش کو مقدم سمجھنے لگیں۔ تو ربا خود بخود حرام ہو جائیگا۔ مگر اس زمانہ میں جبکہ اپنی آسائش کو کوئی مسلمان اپنے بھائی کی اشد ضرورت کے لئے چھوڑنے پر تیار نہیں ہو سکتا۔ ربا سنگین سود در سود ہے نہیں معمولی تجارتی شرح سود

[illegible]

کے جواز عدم جواز پر مُصر رہنا دماغی جمود۔ قومی نکبت و ذلت۔ فضول پُرخاش جوئی اور موشگافی کی عادت بد کی انہی
بیشمار نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے جو ہم مسلمانوں کی بات بات میں چند صدیوں سے ہویدا ہو رہی ہیں۔ بہرحال
یہ ایک اجتہادی امر ہے جو اسمیں قباحت نہ دیکھیں شامل ہوں۔ اور جن کو کوئی شرعی یا عقلی حجت و عذر ہو۔ وہ
الگ رہیں۔ سردار صاحب کی رائے ذاتی نہیں کئی جلیل القدر علماء بھی یہی خیال کرتے ہیں"۔ یہ بعینہ ہمارے دوست ایڈیٹر
وطن کی عبارت ہے جو انکے اخبار نمبر ۳۵ جلد ۶ مورخہ ستمبر سنہ ۱۹۰۶ء میں شائع ہوئی ہے۔ انکا اس عبارت میں سود کی نسبت [illegible] کرنا
اور ایک حرام قطعی کو حلال کرنیکی جرأت کرنا اور باوجود علم و اعتراف اس امر کے کہ میں عالم نہیں ہوں مفتی بن بیٹھنا ایک
قیامت کی نشانی ہے جسکی نسبت صحیح بخاری میں یہ حدیث وارد ہے۔ اِذَا وُسِّدَ الْاَمْرُ اِلٰی غَیْرِ اَھْلِہٖ
فَانْتَظِرِ السَّاعَۃَ یہی ایڈیٹر صاحب اسی علم کے ساتھ مفسر بھی بن بیٹھے ہیں۔ اور اردو میں ایک تفسیر جسمیں بہت سے احکام و
عقائد شرعیہ کا خلاف کر چکے ہیں اپنے نام سے چھاپ رہے ہیں جو بلا ریب اس شعر کا مصداق ہے۔ اِذَا کَانَ الْغُرَابُ دَلِیْلَ قَوْمٍ
اس مضمون ایڈیٹر وطن کے جواب میں ایسی لمبی بحث کرنی نہیں چاہتا۔ جسقدر آگے بحث کر چکا ہوں وہ کافی سے زیادہ ہے۔
اس مقام میں صرف ایڈیٹر وطن کی اس بات کا جواب الزاماً جو اُسنے پیش کی ہے۔ کہ "حدود شرعی کو نظر انداز
کر دینے کے باوصف مسلمان برابر مسلمان رہ سکتے ہیں۔ تو سودی بینک جاری کرنیکے متعلق اپنا اجتہاد
کرنے سے ان کی مسلمانی میں فرق نہیں پڑنا چاہئے"۔ جواب دیا جاتا ہے کہ کسی حکم شرعی کو متعلق حدود
شرعیہ ہو (جنکا اجرا سیاست و حکومت کا کام ہے)، یا متعلق اپنے اعمال و اعتقادات کے ہو جو ہر ایک
مسلمان کیلئے واجب العمل ہے، نظر انداز کرنا دو قسم کی نیت اعتقاد کی وجہ سے دو قسم ہے۔ قسم اول نظر اندازی یہ کہ
کوئی شخص مسلمان کہلا کر ان احکام شرعیہ کے صحت و ضرورت سے انکار کرے یا انکو انصاف و عقل و تہذیب و
انسانی شخصی و تمدنی و سیاسی ضرورت کا مخالف سمجھے اور اس اعتقاد و خیال سے ان احکام
کو نظر اندازی کر دے اور ان کی تعمیل سے انکار کرے جیسا کہ اسوقت کے اکثر یورپ وغیرہ بلاد کے
عیسائیوں کا حال و خیال ہے کہ وہ احکام توریت و انجیل کو پس پشت ڈال کر کیا سیاسی و تمدنی امور میں
اور کیا ذاتی عملی و اخلاقی امور میں اپنی عقل اور سوسائٹی کے مجوزہ قوانین و آئین کو دستور العمل
بنائے ہوئے ہیں تو اس قسم کے نظر انداز کرنیوالے منکر شخص کا مسلمان کہلانا ایسا ہے کہ
جیسا کہ اُن عیسائیوں کا برائے نام عیسائی کہلانا ہے۔ قرآن اور اسلام ایسے منکروں کو
مسلمان نہیں کہتا۔ بلکہ قطعی کافر قرار دیتا ہے اور دائرہ اسلام سے خارج کرتا ہے قرآن کی بہت سی

ایات میں اسکی نسبت یہ فتوی و فیصلہ ہے۔ از انجملہ بعض آیات کو نقل کیا جاتا ہے۔ ایک آیت میں ارشاد ہے۔ جو لوگ اللہ کے اتارے حکم کے مطابق حکم نہ دیں وہ لوگ کافر ہیں۔ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ ایک اور ایت میں فرمایا تیرے رب کی (یعنے ہمکو اپنی) قسم ہے یہ لوگ مسلمان نہ ہونگے جب تک اپنے فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا جھگڑوں اور معاملات میں تجھکو اپنا حاکم نہ بناویں اور پھر تیرے فیصلہ سے دل میں تنگی نہ لاویں قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَن يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ اور یہودیوں کے حق میں جو مدینہ میں تھے اور اسلام کے انتظام میں خلل انداز ہوتے فرمایا کہ ان لوگوں سے لڑو جو اللہ پر اور پچھلی دن پر ایمان نہیں لاتے اور جس چیز کو خدا اور رسول نے حرام کیا ہے اسکو حرام نہیں جانتے اور دین (آئین) حق کی پیروی نہیں کرتے جب تک کہ ٹیکس دیکر تمہارے ماتحت ہو کر نہ رہیں۔ اور ایک آیت میں جو حکم سود میں خدا رسول کی مخالفت کرنے والے مسلمان کو فرمایا۔ اے مسلمانوں خدا سے ڈرو اور يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ باقی ماندہ سود چھوڑ دو (اگر واقعی اور دل سے) مسلمان ہو تم نے ایسا نہ کیا تو خدا رسول سے لڑنے کی خبر سن لو اور اس کے لئے تیار رہو خدا سے لڑنا اسلام نہیں کافروں کا کام ہے۔ قسم دوم نظر انداز ی یہ کہ کوئی شخص قرآن اور اسلام کے احکام کو صحیح و حق و عقل و انصاف و ضرورت شخصی تمدنی و سیاسی کے مطابق جانتا ہے۔ مگر غفلت یا کسی مجبوری نفس کی وجہ سے انکی تعمیل سے قاصر ہے اور اس قصور و کوتاہی پر وہ نادم و متاسف ہے اور دل سے عزم رکھتا ہے کہ وہ اس قصور و کوتاہی سے باز آئیگا اور حکم شریعت کی پیروی کریگا۔ اس قسم دوم کا تارک تعمیل احکام گو مسلمان کہلا سکتا ہے مگر مسلمان ہونے کے ساتھ وہ فاسق (اطاعت خدا رسول سے خارج و بدکار بھی) کہلاتا ہے۔ جس کی نسبت یہ حکم ہو چکا ہے بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ یعنی مومن ہونے کے بعد فاسق کہلانا برا نام رکھانا ہے المختصر حدود شرعیہ یا احکام اسلامیہ سے نظر انداز رہنے والا مسلمان خالص مسلمان نہیں کہلا سکتا اسلام میں کچھ نہ کچھ خلل و نقصان پیدا ہو جاتا ہے۔ ان حدود و احکام کے استحسان سے منکر بالکل

کافر ہو جاتا ہے اور اگر پسند کرنے کے ساتھ غفلت یا کسی مجبوری سے ان کی تعمیل سے قاصر ہے تو فاسق کہلاتا ہے اب آپکو اختیار ہے ازاد و ماتحت مسلمانان حدود شرعی کو نظر انداز کرنے والوں اور احکام شرعیہ متعلقہ سود و غیرہ کے حلال کرنے والوں کو قسم اول میں داخل کر کے کافر قرار دیں یا قسم ثانی میں داخل سمجھکر فاسق کہیں۔ ہم اور کچھ نہیں کہتے صرف اس قدر کہتے ہیں۔ کہ خالص مسلمان تو وہ ہرگز نہیں کہلا سکتے۔

اس الزامی بات کے بعد جو آپنے اس زمانہ سے پہلے مسلمانوں پر حملہ کیا اور کہا ہے کہ مسلمانوں نے قرآن میں غور و تدبر کو چھوڑ کر تعلیم اسلام کے روح کو بھلا دیا ہے سود ہی کے مسئلہ کو لو۔ اول ربو کے معنی میں اختلاف ہے۔ ایک فریق اس کے معنی یوزری و ظالمانہ ربا لینے کی کرتا ہے۔ نہ تجارتی شرح مروجہ سود کو دوسرا فریق مطلق ربو کو حرام کہتا ہے۔ مگر وہ فریق اول کے استدلال کا کوئی شافی جواب نہیں دیتا۔ دوم مسلمان یہ نہیں سوچتے کہ علماء سلف و حال خود ربو کی چند صورتوں کو غیر ممنوع ہونا تسلیم کر چکے ہیں۔ مگر اسکے معنی خواہ کچھ ہوں اسکی ممانعت کی اصل وجہ ہمدردی ہے تو پھر جب کسی کو روپے کی ضرورت ہو اور اسکو بازار ایک روپیہ فیصدی شرح سے کم پر روپیہ نہ ملے تو اگر کوئی مسلمان بخیال ہمدردی و دفع ضرر اہل اسلام بحکم لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ فِی الْاِسْلَامِ اسکو فیصدی ۱۰ سالانہ سود پر روپیہ قرض دیدے تو کیا اُسنے منشاء الہی کا خلاف کیا۔" اسمیں اول تو سرسید کا الجھ کھانے اور ژولیدہ بیانی کا اظہار کیا ہے۔ (جو علماء اسلام پر عدم تدبر قرآن کا الزام سراسر اتہام قایم کیا ہے)" دوسرے خلاف گوئی کا ارتکاب کیا ہے۔ اول یہ کہ سود کے معنی میں علماء کا اختلاف ہے۔ کہ وہ مطلق زیادتی ہے۔ یا ظالمانہ زیادتی یوزری، مگر اس اختلاف کے متعلق نہیں بتایا کہ سرسید کے پہلے کس عالم اسلام نے ربو محرم کو یوزری سے خاص کیا ہے۔ دوم یہ کہ ربو کو یوزری سے مخصوص کرنیوالوں کے استدلال کا فریق مخالف نے جواب نہیں دیا یہ بھی سخت ہولناک خلاف گوئی ہے۔ اشاعۃ السنۃ نقارہ کی چوٹ کے ساتھ سرسید کے زمانہ حیات سے اسوقت تک آپکے دلائل کا جواب دے رہا ہے جس کے جواب میں کسی نے دم نہیں مارا۔ پھر آپنے جواز سود بشرح تجارتی پر اپنے اجتہاد سے ایسی دلیل قایم کی ہے جس سے زناکاری شراب خوری کی رات بھی ثابت ہو جاتی ہے۔ آپکی اس دلیل کو سنکر ایک زناکار و شراب خوار یہ دلیل پیش کر سکتا ہے کہ ایک